20

ایمان بہتر اخلاق سے ظاہر کرو

(فرمودہ ۲۱ مئی ۱۹۲۶ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے بہت دفعہ اپنی جماعت کے دوستوں کو توجہ دلائی ہے۔ اور اب پھر اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارے اہم اور ضروری فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کے سامنے ایک عمدہ نمونہ بنیں ہمارے اخلاق دوسروں کی نسبت اچھے ہوں۔ تاکہ لوگ ہمارے نمونہ اور ہمارے معاملات اور ہمارے اخلاق دیکھ کر ہماری طرف توجہ کر سکیں اور ان کے لئے کوئی امر موجب ابتلاء نہ ہو اور وہ کوئی ٹھوکر نہ کھائیں۔

اخلاق ایک ایسی چیز ہے جو ہر ایک کو نظر آتے ہیں لیکن ایمان کو کوئی نہیں دیکھتا۔ کتنا ہی کسی کو یقین ہو کتنا ہی کسی کو وثوق ہو۔ اگر اپنے ظاہر پر اس کا اثر نہ ہو۔ تو کسی اور پر بھی اثر نہیں ہوتا۔ ایمان کا معاملہ بالکل پوشیدہ ہوتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں مخفی اور پوشیدہ رہنے والی بات کو مقدم سمجھا جاتا ہے حالانکہ مقدم اس چیز کو رکھنے کی ضرورت ہے۔ جو ہر وقت نظر کے سامنے رہتی ہے۔ ایمان گو خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑی حقیقت رکھتا ہے اور اس کی اہمیت زیادہ ہے۔ مگر بندوں کے نزدیک اس کی اتنی حقیقت نہیں۔ بندوں کے نزدیک تو اس چیز کی زیادہ حقیقت ہے جو ایمانی رنگ میں ہر وقت زیر نگاہ رہتی ہے۔ قلبی ایمان کی حقیقت بندوں کے سامنے نہیں ہوتی۔ وہ دل کے واقف نہیں ہوتے اس لئے کسی کے دل کی بات کا وہ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ان کے سامنے ظاہر اطور پر کچھ ہونا چاہئے تو وہ کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ ایک نکتہ تھا لیکن افسوس کہ یہی نکتہ لوگوں کے سامنے مخفی ہو گیا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ لوگ اس بات کو سمجھتے مگر برخلاف اس کے اس زمانہ میں ہمارے لوگ بالکل ہی نہ سمجھ سکے کہ قلب کی ساری کیفیتیں صرف خدا

ہی جانتا ہے۔ قلبی حالت ہمیشہ انسان کی نظروں سے پوشیدہ رہتی ہے۔ اور انسان مطلقاً اس بات کو نہیں جان سکتا کہ کسی کے دل میں کس حد تک ایمان ہے۔ انسان جب بھی ایسا اندازہ لگائے گا۔ وہ کسی کے اعمال سے ہی لگائے گا۔ جو نظروں کے سامنے ہوتے ہیں۔ وہ اس کے عمدہ اخلاق کو دیکھ کر کہے گا کہ یہ ایماندار آدمی ہے۔ وہ اس کے معاملات کی صفائی دیکھ کر کہے گا کہ اس کا قلبی ایمان اچھا ہے۔ لیکن اگر اس کے اخلاق عمدہ نہیں اور اس کے معاملات میں صفائی نہیں تو کوئی شخص نہیں جو (باوجود اس کے ایمان کے جو کہ ایک قلبی کیفیت ہے) اس کے متعلق عمدہ رائے ظاہر کر سکے۔ پس اخلاق اور معاملات کی صفائی ہی ایک شخص کے قلب کا پتہ بتاتے ہیں کہ وہ کیسا ہے۔ اس لئے یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ اخلاق کو سنوارا جائے۔ اور معاملات میں صفائی پیدا کی جائے۔ اس بات کو سوچنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص جو اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میرے اندر ایمان ہے اور اس کے اخلاق اور معاملات اچھے ہیں لیکن وہ اپنے ایمان کو واقعات کے ساتھ ثابت کرنا چاہے اور لاکھ کہے کہ مجھ میں ایمان ہے اور اس پر وہ ایک نہیں دو نہیں بیسیوں قسمیں بھی کھا جائے۔ تو کیا کوئی شخص محض اس کی قسموں کی بناء پر اس کے کہنے کے مطابق مان لے گا؟ وہ ہرگز نہیں مانے گا کیونکہ وہ اس کی ان باتوں کو دیکھ رہا ہوتا ہے جن سے ایمان کی شناخت ہو سکتی ہے اور جن سے ایک آدمی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس کے اندر ایمان ہے اور کس حد تک ہے۔

جب لوگ ایک شخص پر اعتبار نہیں کرتے تو وہ قسموں پر قسمیں کھانا شروع کر دیتا ہے کہ خدا کی قسم میں ایسا دیانتدار ہوں۔ میں ایسا ایماندار ہوں۔ مگر اس کی ایسی قسموں پر بھی لوگ اعتبار نہیں کرتے کیونکہ وہ اس کی روزانہ زندگی میں یہ بات دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ اس کے اخلاق اچھے نہیں اور اس کے معاملات میں صفائی نہیں۔ بے شک خدا کی قسم بہت بڑی چیز ہے۔ بے شک بعض جھوٹی قسموں پر عذاب بھی آتے ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ صرف قسموں سے کسی کے ایمان پر یقین بھی پیدا نہیں ہو جاتا مگر ہمارے ملک میں اس کا احساس ہی نہیں رہا کہ بجائے قسمیں کھا کر یقین کرانے کے اپنے اخلاق سے اپنے اطوار سے اپنے معاملات میں صفائی اور عمدگی پیدا کرنے سے اپنے ایمان کا یقین کرانا چاہئے۔

لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ذرا ذرا سی باتوں پر قسمیں کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے ان کی غرض یقین دلانا ہوتا ہے۔ لیکن ایسی قسمیں کھا کر وہ دو جرم کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا صرف یہی جرم نہیں کہ انہوں نے دیانت شرافت اور اخلاص سے کام نہیں لیا۔ بلکہ انہوں نے دین کو بھی

نہیں سمجھا۔ کیونکہ اگر وہ دین سمجھتے تو خلاف واقع امر پر قسم نہ کھاتے بلکہ بجائے اس کے اپنے اخلاق اور معاملات کی عمدگی سے لوگوں کا اعتبار حاصل کرتے۔ اب اگر ان قسموں کی طرف دیکھا جائے تو کوئی شخص بھی کسی امر میں فیصلہ نہیں کر سکتا۔ عدالتیں بھی فیصلہ نہیں کر سکتیں۔ قسموں کا تو اب یہ حال ہے کہ ایک مجسٹریٹ بھی اگر کسی کو وقت اور موقعہ پر پکڑ لے۔ تو وہ قسمیں کھانی شروع کر دیتا ہے کہ جی میں تو ایسا نہیں ہوں یہ میرے ساتھ عداوت کی گئی ہے لوگوں کو میرے ساتھ دشمنی ہے۔ تو اگر اس قسم کی قسموں پر بھی اعتبار کیا جائے تو کوئی مجرم پکڑا ہی نہ جائے۔

یہ الگ بات ہے کہ اس کے دل میں یہ بات تھی یا نہ لیکن انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس سے آگاہ ہو سکے۔ کیونکہ غیب کا علم اسے نہیں اور اگر وہ یہ کہہ کر اس شخص کو چھوڑ دے کہ جس کو غیب کا علم ہے وہ آپ ہی جان لے گا تو اس قسم کا فیصلہ دلالت کرتا ہے کہ اس بات کا احساس ہی نہیں رہا کہ کونسی دلیلیں انسان کے آگے کارگر ہو سکتی ہیں اور کونسی خدا کے سامنے۔

بہرحال قسم کے ساتھ اگر کوئی شخص کچھ بیان کرے تو وہ جب تک اس کے ساتھ اپنے اخلاق معاملات اور دیگر حالات اور واقعات کو پیش نہ کر سکے یا لوگ ان سے واقف نہ ہوں تو وہ قسم کچھ معنی نہیں رکھتی اور پھر ہر قسم دلیل بھی نہیں ہوا کرتی صرف وہ قسم دلیل ہوتی ہے جو ایسے حالات میں لی جاتی ہے جب دلائل مفقود ہو جاتے ہیں۔ پس قسم اس وقت دلیل بنتی ہے جب کہ ایک تو دلائل نہ ہوں اور دوسری طرف سے قرآئن الزام کے موجود ہوں یا پھر مباہلہ کے وقت دلیل بنتی ہے پھر خدا کی طرف سے آنے والے نبی بھی جو قسم کھاتے ہیں وہ بھی دلیل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان سے ان کی غرض اعلان ہوتی ہے۔ ان حالات میں جو قسمیں کھائی جائیں صرف وہی دلیل ہوتی ہیں اور اگر تمام قسمیں ہی دلیل ہونے والی ہوں تو لوگ تو ہر روز سینکڑوں قسمیں کھاتے ہیں اور قسمیں کھانے کی ان کو کچھ ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ بات تو ایک ہوتی ہے مگر وہ اس کے ساتھ بیسیوں قسمیں کھا جاتے ہیں ایسی قسمیں سراسر فضول اور لغو ہوتی ہیں۔ اور جو شے لغو ہو وہ کس طرح دلیل بن سکتی ہے۔

عرب میں تو بغیر قسم کے بات ہی نہیں کرتے۔ اگر قسموں پر ہی عذاب آنے ہوں تو میرا خیال ہے کہ عرب میں کوئی انسان باقی نہ رہے۔ مگر چونکہ ایسی قسمیں لغو ہوتی ہیں اس لئے ان پر کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ میں نے عرب میں دیکھا ہے کہ وہ بات بات پر قسمیں کھاتے ہیں۔ ان کے منہ پر واللہ - باللہ ثم باللہ کچھ ایسے طور پر رواں ہیں کہ وہ بات کرتے ہی نہیں جب تک کہ وہ چار پانچ بار پہلے

اور پانچ دس بار بعد میں قسمیں نہیں کھا لیتے اور یہ ایسی لغو قسمیں ہیں کہ ان کی بدولت وہ پکڑے نہیں جاتے۔ ورنہ اگر یہی بات ہوتی کہ ہر قسم حجت ہوتی تو آج عرب کا کوئی انسان نظر نہ آتا۔ انسان کیا وہاں کوئی پرندہ اور حیوان بھی دکھائی نہ دیتا۔ عرب کی اس عادت کو دیکھ کر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہاں کوئی آدمی ایسا نہ ہو گا جو دو تین لاکھ قسمیں مرنے سے پہلے نہ کھا چکا ہو مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ سب خالی جاتی ہیں اور جب قسموں سے کوئی فیصلہ نہیں ہوتا فرض کر لو کسی چیز کا بھاؤ چکایا جا رہا ہے تو جھٹ ایک شخص بول اٹھتا ہے کہ اگر اس کی یہی قیمت ہے تو پڑھ تو درود۔ وہ لوگ درود پر زیادہ اعتبار کرتے ہیں۔ اور درود پڑھنے پر سب فیصلہ ہو جاتا ہے۔ یہی حال کشمیر میں ہے۔ پچھلی دفعہ جب میں کشمیر میں گیا تو وہاں کشتی کے مکان میں ہم رہے اس مکان میں ایک شخص دو بطخیں لایا۔ بچوں نے کہا بطخوں کے کباب کھانے ہیں یہ لے دو۔ میں نے اپنے آدمی سے کہا کہ یہ اس سے خرید لو۔ جب ہم نے خریدنی چاہیں تو اس نے کہا میں آپ کے ساتھ رعایت کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں انہیں پانچ روپے پر لایا ہوں میں نے ان کو زیادہ قیمت پر بیچنا تھا مگر آپ اس کے چھ روپے دیدیں۔ ہم نے کہا یہ تو پانچ کی بھی نہیں پھر اس نے چار کئے اور قسم کھائی کہ میں چار پر لایا تھا پھر بھی میرے آدمی نے کہا کہ نہیں ابھی یہ بہت زیادہ ہے پھر تین پر بات آئی اس پر بھی اس نے قسم کھائی کہ میں انہیں تین روپے پر لایا ہوں۔ غرضیکہ وہ ہر دم قسم پر قسم کھائے چلا جاتا اور جو قیمت بتاتا۔ اس کے متعلق قسم کھا کر یہی کہتا کہ میں اسی پر لایا ہوں پھر اڑھائی روپے پر ہمیں وہ بطخیں دے گیا۔ اور جب وہ جانے لگا تو میں نے اسے کہا کہ دیکھو کتنی قیمتیں تم نے بتائیں اور ان سب پر تم نے قسمیں کھائیں اب اڑھائی روپیہ پر تم دے چلے ہو۔ مجھے اب بھی شک ہے کہ یہ اتنے کی نہیں مگر تم ہو کہ قسمیں کھاتے ہی چلے گئے۔ کہنے لگا اسی طرح گذارہ چلتا ہے۔

پس قسموں کا یہ حال ہے کہ ان میں سے اکثر حصہ ایسا ہوتا ہے کہ اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اور پھر اکثر ایسا کہ جو ہرگز دلیل نہیں بن سکتا۔ تو جب یہ حال ہے تو انسان کیونکر اس کی بناء پر اندازہ لگا سکتا ہے۔ یہ تو اس کی ایمانی کیفیت کا حال ہے جو اس کے اندر ہے اب ان قسموں پر اگر کوئی دیکھے تو وہ کسی طرح ایک شخص کے ایمان کا اندازہ کر سکتا ہے۔ ایمان کے اندازہ کے لئے بھی اور دیگر امور کا فیصلہ کرنے کے لئے بھی اخلاق اور معاملات ہیں ان کی بناء پر ایک شخص کسی کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کر سکتا ہے اور کوئی فیصلہ کر سکتا ہے۔ پس انسان کے سامنے تو اخلاق وغیرہ پر ہی فیصلہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو کہے تو مومن نہیں تو وہ اس بات کو ثابت نہیں کر سکتا جب تک

وہ ثبوت میں اپنے اخلاق اور معاملات کی صفائی اور گذشتہ واقعات کی عمدگی کو پیش نہ کر سکے۔ ایسا ہی اگر کسی کے سپرد کوئی کام ہوا ہے اور وہ کام نہ کرے اور بیٹھ جائے اور اگر اس نے پہلے بھی موقعہ ملنے پر ایسا کیا تو وہ ایک نہیں سو قسمیں کھائے کہ یہ ہو گیا تھا یہ درپیش آگیا تھا یہ رکاوٹ پڑ گئی تھی تو کوئی شخص اس کے متعلق یہ نہیں کہے گا کہ اس کی قسمیں درست ہیں اور وہ فی الواقع ایسی مجبوریوں کے باعث ہی اس کام کے کرنے سے رکا رہا۔ ایسا شخص اگر اگلے سال تک بھی برابر قسمیں کھاتا چلا جائے تو بھی کسی کو یقین نہ آئے گا۔ لیکن اگر اس میں یہ بات نہیں بلکہ برخلاف اس کے اس میں کام کرنے کی عادت ہے اور پھر ایسا واقعہ پیش آیا ہے تو پھر قسم تو درکنار اس کے زبان کے کہدینے سے ہی لوگ اس بات پر یقین کرلیں گے۔ تو اخلاق ایک ایسا شعبہ اعمال کا ہے کہ لوگوں کے ایمانوں کے متعلق اور لوگوں کے خدا کے ساتھ جو تعلق ہیں۔ ان کے متعلق اگر کوئی قسم کھا کر کچھ کہے تو اس پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ یہ مخفی ہوتے ہیں اور یہ مخفی شے اخلاق اور معاملات وغیرہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک شخص کے متعلق سنا کہ وہ ہر بات کے ساتھ گالی دیتے ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ گالی نہ دیا کریں۔ اسکے جواب میں اس نے ایک نہایت گندی گالی نکال کر کہا کہ کون کہتا ہے کہ میں گالی دیتا ہوں اب اس کی عادت ہو چکی تھی وہ انکار کر رہا ہے مگر انکار کے ساتھ بھی گالی دے دی اس پر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ فرماتے ہیں میں نے اسے کہا جس نے مجھے کہا ہے اس نے غلط کہا ہے کہ آپ گالی دیتے ہیں۔ اب یہ اس کی عادت ثانی ہو چکی تھی۔ اب بغیر گالی دیئے بات کرنے کی اس سے توقع ہی نہیں۔ قوت ضبط اس میں نہ رہی تھی وہ اس بات کو محسوس ہی نہیں کر سکتا تھا کہ میں گالی نکال رہا ہوں۔ یہاں تک کہ ارادہ بھی اس کا مرچکا تھا۔

یہ تو صوفیاء کا رنگ تھا جو حضرت خلیفہ اولؓ نے لیا مگر اس کے سوا دوسرے لوگ ہیں ان کا رنگ کچھ اور ہی ہے غور کرنا چاہئے اب اگر کوئی دوسرا آدمی اس کو دیکھے تو کیا کہے یہی کہ گالی بھی دیتا ہے اور جھوٹ بھی بولتا ہے اور یہ گالی دینے کے سوا جھوٹا بھی ہے۔ غرض اخلاق کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ کوئی شخص اخلاق کو چھپا نہیں سکتا۔ یہی معاملات کا حال ہے۔ اگر اخلاق اچھے ہوں اگر معاملات درست ہوں تو غلطی بھی ہو تو سمجھ لیتے ہیں کہ اتفاقی طور پر ہو گئی اور اگر یہ درست نہیں اور وہ عذر پہ عذر کرے تو ہرگز یہ معنی نہیں ہوں گے کہ یہ اتفاقی طور پر ہوا ہے۔

پس جو جانتا ہے کہ میں روپیہ لے کر دے نہیں سکتا اور پھر تاریخ بھی مقرر کر دیتا ہے کہ

فلاں تاریخ کو ادا کر دوں گا اور بعد میں وہ اگر یہ کہے کہ مجھے خدا پر امید تھی کہ میں دیدونگا تو ایسا آدمی جھوٹ بولتا ہے۔ وہ ایک کروڑ روپیہ کسی سے اس امید پر کیوں نہیں لے لیتا اور صرف دس روپیہ کی امید کیوں رکھتا ہے۔ آخر اس کو کہنا پڑے گا کہ اس کی علامات نہیں تھیں کہ میں ایک کروڑ روپیہ خدا تعالیٰ سے لے سکتا ہوں۔ پس ہر وہ شخص جو قرض لیتا ہے اور دینے کا دن مقرر کرتا ہے اور دیتا نہیں اور کہتا ہے کہ خدا پر مجھے امید تھی وہ ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ یہ فریب ہے جو اس رنگ میں وہ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر امید دو طرح ہوتی ہے۔ یا تو علامتیں ظاہر ہو جائیں اور یا خدا کی طرف سے وعدہ ہو جائے۔ اگر وعدہ ہو جائے تو جو چاہے کرے کیونکہ خدا تعالیٰ وعدہ کر کے پھر اس کے خلاف نہیں کرتا۔ اور پھر بعض وقت وہ وعدہ اس منشاء کا ہوتا ہے کہ پہلے ایک شخص قرضہ لے اور پھر خدا اسے دے۔ رسول کریم ﷺ کے ساتھ بھی خدا کے وعدے تھے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ بھی خدا کے وعدے ہوئے۔ پس ایسے وعدوں کے مطابق بسا اوقات یہ لوگ قرض لیتے ہیں۔ بعض دفعہ قرض سے ان کے اخلاص کا امتحان لینا مدنظر ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ان کی بشریت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ معاملات کی درستی بھی مدنظر ہوتی ہے کہ لوگ دیکھیں کہ ایسے شخص قرض لے کر کس طرح ادا کرتے ہیں اور بھی کئی حکمتیں اس میں ہوتی ہیں۔ مگر جس کے ساتھ ایسا وعدہ نہیں اس کا کوئی حق نہیں کہ وہ قرض لے اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو بد دیانت ہے لیکن جس کو امید ہو مثلاً اگر کوئی پچاس روپے کا ملازم ہو اور وہ کسی سے تنخواہ کے وعدہ پر کچھ روپے قرض لے لے اور اس کے دس پندرہ دن بعد اگر اس کا مالک اس کو نکال دے تو ایسا شخص اگر وقت پر ادا نہ کر سکے تو وہ بد دیانت نہیں اور نہ ہی اس پر جھوٹ کا گمان ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اسے صحیح طور پر امید تھی۔ مگر وہ پوری نہ ہوئی۔ یا اگر ایک شخص کا کسی اور شخص نے دینا تھا اور وہ شخص اس بناء پر کسی اور سے کچھ لے لیتا ہے مگر جو وعدہ کرتا ہے اس پر وہ ادا نہیں کر سکا کیونکہ جس سے اسے لینا تھا اس نے اپنے وعدہ پر نہ دیا تو یہ شخص بھی بد دیانت نہیں کہلا سکتا۔ یا باوجود روپے کے ملنے کے صریح قرائن ہونے کے اس کو کوئی اور مشکل آگئی۔ جس کے سبب وہ اپنا قرض ادا نہ کر سکا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نادہندہ ہے اس کو تو خود مصیبت آگئی۔ لیکن ایک اور شخص بھی ہے جس نے کسی دوسرے سے فی الواقع کچھ لینا ہے مگر اس کا مقروض سخت نادہندہ کے قرضہ کو مدنظر رکھ کر کچھ لیتا ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ لیکر دینا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس کا یہی مطلب ہے۔ کہ نہ میرا قرض ملے گا اور نہ میں دوں گا۔ غرض اس قسم کی بہت سے صورتیں ہیں۔ جن میں قرضہ لینا درست نہیں مگر پھر بھی ایک شخص لیتا ہے اور

ایسی صورتوں میں اس کا قرضہ لینا بد دیانتی ہے۔

اب ایک اور شخص ہے جس کے پاس کچھ نہیں وہ ایک دوسرے شخص کے پاس جاتا ہے اور صاف صاف کہدیتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں مجھے کوئی امید بھی نہیں۔ باقی اگر میرے پاس آگیا تو میں دیدوں گا ایسا شخص دیانتدار ہے۔ کیونکہ وہ صاف صاف سب کچھ کہدیتا ہے۔ اور یہ قرض دینے والے کا کام ہے کہ وہ اسے دے یا نہ دے۔

غرض معاملات کی صفائی ضروری چیز ہے۔ جو نہیں دے سکتا وہ وقت مقرر نہ کرے۔ صاف صاف کہدے خبر نہیں میں کب دے سکوں۔ اس صورت میں یہ شخص قرض لے سکتا ہے کہ بالکل سچ بتادے۔ یا یہ کہ اگر اس کو فی الواقع کسی آمد کی آمید تھی اور وہ وقت پر نہ ہو سکی تو پھر اس کا فرض ہے کہ وہ آپ جائے اور صاف صاف کہدے کہ میں اس وجہ سے وقت پر ادا نہیں کر سکا۔ کوئی دوسرا وقت مقرر کرو اس پر ادا کر دوں گا۔ پس معاملات کی صفائی ضروری چیز ہے۔ اس کے بغیر دنیا میں کسی کو یقین نہیں آسکتا۔ یہاں تک کہ کسی کے ایمان پر بھی یقین نہیں آتا۔

پس یہ انسان کے اخلاق ہی ہیں کہ وہ اس کے دل کی کیفیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ محبت، ہمدردی، ظالموں کا مقابلہ، مظلوموں کی مدد، قومی فرائض کی ادائیگی، ایثار، قربانی، جھوٹ سے نفرت، سچ سے پیار، دیانت، معاملات میں درستی، علم کے حاصل کرنے کی محبت اور نمونے کے سب اخلاق ہیں۔ اور انہی کو لوگ دیکھتے ہیں۔ پس ہر ایک شخص کا کام ہے کہ ان نمونوں کو نہایت عمدگی کے ساتھ ظاہر کرے۔

میں اس موقعہ پر ان لوگوں کو بھی متوجہ کرتا ہوں جو ایڈیٹر ہیں یا کسی نہ کسی طرح ان کا اخباروں کے ساتھ تعلق ہے یا مضمون نگار ہیں۔ یا مصنف کہ ان کی زبانیں شائستہ ہونی چاہیں۔ ان کے قلموں سے وہ باتیں نکلیں جو لوگوں کی ہدایت کا باعث ہوں۔ اور ان کی قلموں سے وہ باتیں ہرگز نہ نکلیں جو لوگوں کی ٹھوکر کا سبب ہوں وہ اخباروں والے کہ ان کی باتیں سینکڑوں ہزاروں کے پاس پڑھی جاتی ہیں۔ وہ اگر ایڈیٹر ہیں تو اور اگر نامہ نگار ہیں تو انہیں اپنی تحریروں کو ایسا بنانا چاہئے کہ ان پر کسی کو گرفت کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ میں نے کئی دفعہ بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں اور تقریروں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ اس قسم کی تحریریں لکھنا ماموریں کا کام ہوتا ہے۔ یا جو خدا کی طرف سے الہام پانے والے ہیں۔ اور لوگوں کی ہدایت کے لئے کھڑے کئے گئے ہیں ان کی نقل کرنا بے وقوفی ہے۔ ایک ضرب المثل ہے "ایاز قدر خود بشناس" ایاز آخر ایاز تھا اور محمود محمود۔

غلام اور آقا میں بڑا فرق ہے۔ اب غلام اگر کہے کہ میں آگے بڑھوں یا کم از کم اس طرح کروں جس طرح آقا کرتا ہے۔ تو یہ اس کی گستاخی ہے۔ مامورین کو جو درجے حاصل ہیں وہ ہر ایک کو نہیں۔ ان کی ہتک ہے کہ ایک شخص اس رنگ میں ان کی نقل اتارنا شروع کر دے۔ ان کی نقل کرنے کی اور بہت سے باتیں ہیں۔ ان کے اخلاق ہیں ان میں ان کی نقل کرنی چاہیئے۔ جو فیصلے وہ خدا کے الہام کے ماتحت کرتے ہیں یا جو فیصلے وہ اپنی میجسٹریل پاور کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے جو الفاظ استعمال کرتے ہیں وہ ان کے لئے ہی مخصوص ہوتے ہیں۔ دوسروں کا کام نہیں کہ ان کو اختیار کریں۔ ہر ایک آدمی مخلص نہیں۔ وہ جب اس قسم کی باتوں کو سنتا ہے۔ تو ٹھٹھا کرتا ہے۔ دیکھو ایک مجسٹریٹ اگر کسی کو چور کہتا ہے۔ تو اسے کوئی کچھ نہیں کہتا۔ لیکن کوئی دوسرا آدمی ایسا نہیں کہہ سکتا۔ اور اگر تو لوگ اسے دیوانہ سمجھتے ہیں کہ یہ کون ہے جو اس کو چور کہتا ہے اس میں شک نہیں کہ اس بات سے ہر شخص یہ سمجھے گا کہ چور کی چوری کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر اس پر غیبت کا الزام بھی تو دھرا جائے گا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ غیبت بہت ہی بری شے ہے۔ صحابہ نے پوچھا۔ اگر کسی کا عیب دیکھ کر کہیں تو یہ بھی کیا غیبت ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تم عیب دیکھے بغیر کوئی بات کہتے تو تم جھوٹے ہوتے۔ غیبت یہی ہے کہ سچی بات کو بیان کیا جائے اسے پس وہ شخص جو فی الواقعہ چور کو چوری کرتے دیکھتا ہے۔ ایک مجسٹریٹ کی طرح ہرگز اس کو چور نہیں کہہ سکتا۔ اور اگر وہ کہے تو ایک حد تک نقصان پہنچتا ہے۔ اسی طرح ایک مامور اور ایک غیر مامور کا معاملہ ہے۔ غیر مامور مطلقاً مامور کی طرح کسی کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی یہ اس کا منصب ہے کہ وہ اسے کہے۔ پس ہماری جماعت کے دوستوں کا یہ کام نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس بات میں نقل اتاریں نقل کرنے کے لئے اور بہت سی باتیں ہیں۔ انہیں نقل کرنا چاہیئے۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دوست اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ ہمارے اخبار نویسوں نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ابھی ان کی تحریروں میں خشونت استعمال کی جاتی ہے۔ اور سخت لفظ درج ہوتے ہیں۔

اس خطبہ کا محرک آج کا ایک خط ہوا ہے جو باہر سے آیا ہے۔ اس میں دو شخصوں کا ذکر ہے کہ وہ مذہب کی تحقیق میں مصروف ہیں۔ ان میں سے ایک شخص تعلیم یافتہ ہے۔ ایم اے ہے۔ ایک کالج میں پروفیسر ہے۔ وہ بھی مذہب کی تحقیقات میں مصروف ہے۔ ہمارے آدمیوں نے جب سنا تو اس کے پاس گئے اور کہا کہ آپ آج کل مذہب کی تحقیقات میں مصروف ہیں آپ احمدیت کی طرف بھی

توجہ کریں۔ اس نے کہا میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ تعلیم کے لحاظ سے احمدی اچھے ہیں۔ لیکن اخلاق کے لحاظ سے وہ ایسے اچھے نہیں کہ میں ان کی طرف توجہ کر سکوں۔ معاملات میں بھی بعض احمدی درست نہیں۔ پھر اگر ان کی تحریریں دیکھی جائیں۔ تو وہ سخت الفاظ سے بھری پڑی ہیں۔ اس نے کہا مجھے ایک احمدی ملا جو گالیاں دیتا تھا۔ یہ شخص سچا ہو یا نہ ہو لیکن اس سے ہمیں سبق ملتا ہے۔ اور ہمیں چاہئے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور آئندہ اس قسم کی قابل شکایت باتوں سے رک جائیں۔ میں نے یورپ کے لوگوں کو دیکھا ہے۔ وہ جذبات کو قابو میں رکھنے کے عادی ہیں۔ خدا کو خوش کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ اس وجہ سے کہ اخلاق اور اخلاص سے مال ملتا ہے۔ اور جہاں ان کو یہ امید نہ ہو وہاں وہ بھی بد اخلاقی کرتے ہیں۔ تو ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے جذبات پر قابو رکھیں۔ اور لوگوں کو اپنے عمدہ اخلاق سے اپنی طرف کھینچ لیں۔ پس ایسی تحریریں جن میں خشونت ہوتی ہے لوگوں کے لئے ٹھوکر کا باعث ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہمارے مضمون نویسوں اور ایڈیٹروں کو اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

پس میں پھر توجہ دلاتا ہوں کہ یہ کوئی اخلاق نہیں کہ جن کی طرف انہیں بلایا جاتا ہے۔ گالی سے ہرگز کامیابی نہیں ہوتی۔ نہ ہی سختی سے فتح حاصل ہوتی ہے۔ میری تحریروں کو دیکھ لو میں فخر سے نہیں کہتا۔ مباہات اور تکبر کے طور پر نہیں کہتا کہ میں نے کبھی کوئی سخت لفظ استعمال نہیں کیا۔ لیکن اگر کبھی کوئی ایسا لفظ آبھی جائے۔ تو دشمن سے دشمن بھی جو ہے وہ بھی میری طرز تحریر کو دیکھ کر کہے گا کہ یہ غلطی سے ہو گیا ورنہ اس شخص کی عادت نہیں کہ سخت الفاظ استعمال کرے۔ اس نرمی سے میں نے کبھی کسی سے شکست نہیں کھائی۔ میرے بالمقابل بڑے بڑے سخت الفاظ استعمال کئے گئے۔ مگر میں نے کبھی کوئی سخت لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ اپنے مطالب کو نہایت نرم الفاظ میں پیش کیا۔ پس میں چاہتا ہوں کہ ہمارے دوست بھی اسی رنگ کو اختیار کریں۔ اور اپنے جذبات پر قابو رکھیں۔ یہ غلط خیال ہے کہ نرم الفاظ استعمال کرنے سے ہار جائیں گے۔ بے شک بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو میری تحریروں کے متعلق کہتے ہیں کہ گالیاں دیتا ہے مگر کہنے کو تو لوگ قرآن کے متعلق بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق بھی یہی کہتے ہیں۔ مگر کیا ان کے کہنے سے یہ بات سچ ہو جائے گی؟ بڑا دشمن جو زیادہ اعتراض کرتا ہے۔ وہ پیغامی ہے۔ ان سے اگرچہ مجھے عام طور پر رُو در رُو باتیں کرنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن پھر بھی جن لوگوں سے ایسا موقعہ ملا ہے۔ اور جنہوں نے اس قسم کے اعتراضات افراد سلسلہ پر کئے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اچھا مجھ پر کوئی اعتراض کرو۔ تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ نہیں آپ کے متعلق ہم کچھ نہیں کہتے۔ ہم دوسروں کے متعلق کہتے ہیں

کہ وہ طریق اختیار کرتے ہیں تو دوسروں کے متعلق اعتراض۔اس اعتراض کے بالمقابل کوئی معنی نہیں رکھتا جو میری ذات پر کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ میں جماعت کا ذمہ دار ہوں اور ایسے لوگ اپنے اپنے نفوس کے۔ مگر باوجود اس کے میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ انہیں اس بات پر یقین کر لینا چاہئے کہ سخت کلامی بد اخلاقی ہوتی ہے اور ٹھوکر کا باعث بنتی ہے۔ اور نرمی عمدہ اخلاق سے ہے اور لوگوں کی توجہ کا سبب ہوتی ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ہمارے احباب اپنی ہر بات میں نرمی اور سلوک پیدا کریں۔

اسلام کا حکم نرمی ہے سختی ٹیکہ کی مانند ہے یا اپریشن کی طرح۔ وہ اصل علاج نہیں۔ اصل علاج نرمی ہے پس اسے اختیار کرو۔ اور ایسے بن جاؤ کہ یہ خود بخود بطور نمونہ کے تمہیں پیش کرے۔ گلیوں میں چلتے ہوئے یہ نمونہ ظاہر ہو۔ کسی کو شکوہ نہ ہو کہ گالی دی۔ کسی کو گلہ نہ ہو کہ سختی کی۔ اور اگر یہ نہیں تو دلوں میں سوچو کہ پھر دنیا میں کیا پیش کرنا چاہتے ہو۔ پس میں پھر کہتا ہوں کہ نمونہ پیدا کرو دشمن تو کہتا ہے کہ تم میں نرمی نہیں۔ لیکن میں اپنے طور پر بھی کہتا ہوں کہ ایک حد تک یہ ہم میں نہیں۔ اس لئے چاہئے کہ سب دوست اسلام کی تعلیم کے مطابق نرمی پیدا کریں اور اسلام کی تعلیم سے تو از خود نرمی پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر ہم یہ نہیں کرتے تو کون بیوقوف ہے جو ان باتوں کو مان لے۔ جو ہم کہتے ہیں۔ وہ تو ہم کو پاگل کہے گا۔ یا مسخرہ سمجھے گا۔ اس لئے میں پھر کہتا ہوں کہ اپنے کلام میں نرمی پیدا کرو۔ اور اپنے اخلاق اور معاملات میں حسن و خوبی پیدا کرو جب تک یہ نہیں تب تک اسلام کی ترقی نہیں۔ اور اگر ہو بھی تو میرے نزدیک وہ ترقی نہیں۔ ہم جو کچھ لوگوں کو کہتے ہیں وہ اگر لفظی طور پر مان بھی لیں تو بھی کیا ہے۔ صرف ناموں کے بدلنے سے کیا ہوتا ہے۔ عیسائی اگر نہ کہلایا مسلمان کہلا لیا۔ اس میں کیا دھرا ہے۔ جب تک روحانیت کے کوئی مدارج نہ ہوں۔ اور جب تک یہ نہ ہوں کوئی ترقی بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ بات زیادہ نقصان کا باعث ہے۔ کیونکہ جب تک انہوں نے نام نہیں پایا۔ تب تک تو ان کو تڑپ اور جوش تھا کہ ہم یہ پائیں اور جب نام پالیں گے تو تمام کوششیں چھوڑ دیں گے۔ اور بجائے اس کے کہ وہ دن ہمارے لئے فتح کا دن ہو ہمارے لئے شکست کا دن ہو گا۔ پس میں پھر کہتا ہوں کہ روح عمل پیدا کرو روحانیت کے مدارج پر چلو اور اپنے آپ کو نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرو۔

میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمیں اخلاق کے درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور معاملات میں حسن و خوبی کی۔ ہم میں نرمی پیدا ہو۔ اور سختی بالکل نہ ہو۔ ہم دنیا کے لئے نمونہ بن کر

ہدایت کا باعث ہوں۔ نہ کہ ٹھوکر کا موجب (آمین)

(الفضل ۲۸ مئی ۱۹۲۶ء)

ا۔ مشکوٰۃ کتاب الادب باب حفظ اللسان